تحریک اسلامی اور اس کے عالمی اثرات

عبدالرشید صدیقی ○

(دوسری اور آخری قسط)

۴۔ مغرب میں تحریک اسلامی کے اثرات

(الف) سیاسی اثرات: جہاد افغانستان' انقلاب ایران' الجزائر میں اسلامک سالویشن فرنٹ کی الیکشن میں کامیابی' سوڈان میں اسلامی حکومت کا قیام اور فلسطین میں حماس کی انتفادہ تحریک' وہ نمایاں نشان راہ ہیں جن سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ پچھلے ۲۰ برس میں اسلام سیاسی طور پر تمام ہی ممالک میں اثرانداز ہوا ہے۔ ایرانی انقلاب سے ایک نیا ماڈل سامنے آیا کہ کس طرح عوام کو منظم کیا جا سکتا ہے اور کس طرح معاشرے کے مختلف طبقات کو مجتمع کیا جا سکتا ہے۔ باوجود شیعہ سنی فقہی اختلاف اور عرب اور فارس کی باہمی رقابت کے' اس انقلاب کا اثر تمام مسلم دنیا میں محسوس کیا گیا۔ انقلاب ایران کے بعد تحریکات اسلامی کے قائدین امام خمینی سے ملاقات کے لیے ایران گئے۔ ایران میں وہاں کی اہم شاہراہوں کے نام خالد اسلامبول' سید قطب" اور شیخ کشک" کے نام پر تبدیل کیے گئے۔ اسی طرح جہاد افغانستان میں روس کے خلاف مجاہدین نہ صرف پاکستان بلکہ اکثر عرب ممالک اور دیگر مسلم ممالک سے شریک ہوئے۔ انھوں نے امت مسلمہ کی یک جہتی کی اعلیٰ مثال قائم کی۔ افسوس یہ ہے کہ آپس کی خانہ جنگی نے اس جہاد سے حاصل فتح کو انتشار میں تبدیل کر دیا ہے۔ الجزائر میں اسلامک فرنٹ کی کامیابی سے یہ واضح ہوا کہ اگر عوام کو ان کی رائے کے اظہار کا آزادانہ موقع ملے تو وہ اسلام کے حق میں ووٹ ڈالیں گے لیکن مغربی استعمار یہ نہیں چاہتا کہ کسی ملک میں بھی اسلامی حکومت قائم ہو سکے۔

سوڈان میں اسلامی حکومت کا ایک نیا تجربہ ہوا۔ وہاں جنرل حسن البشیر کی فوجی قیادت اور ڈاکٹر حسن ترابی کی فکری رہنمائی میں اسلامی حکومت قائم ہوئی۔ حال ہی میں' مغرب کی مسلسل مخالفت اور مداخلت

○ ریسرچ اسکالر' اسلامک فاؤنڈیشن' لسٹر' برطانیہ

اور خاص طور سے جنوبی سوڈان میں عیسائی اقلیت کی مزاحمت اور خانہ جنگی کے باوجود اسلامی دستور کو عوام نے بھاری اکثریت سے منظور کیا۔ اس میں اقلیتوں کے حقوق کو تحفظ دیا گیا ہے۔ گذشتہ ۱۰ برسوں میں مغرب کی سازشوں اور بعض مسلم ممالک کی ریشہ دوانیوں کے باوجود سوڈان نے خاطر خواہ ترقی کی ہے۔

اگست ۱۹۹۰ میں کویت پر عراقی قبضے کے بعد اسلامی تحریکات نے پہلی مرتبہ اسلامی سفارتی کوشش سے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی۔ عمان میں ۱۲ تا ۱۵ ستمبر ۱۹۹۰ ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں اس مسئلے پر غور و فکر کے بعد اسے اسلامی تناظر میں حل کرنے کی کوشش کا آغاز ہوا۔ اس کانفرنس میں مصر، اردن اور شام کے اخوانی رہنما، سوڈان کے نیشنل فرنٹ، تیونس کی النہضہ، پاکستان کی جماعت اسلامی، ملایشیا کی اسلامک پارٹی، مصر کی لیبر پارٹی، فلسطین سے حماس کے نمایندے اور الجزائر سے الارشاد والاصلاح کے رہنما اور اس کے علاوہ عالم اسلام کی ممتاز شخصیتوں نے شرکت کی۔ تمام شرکا کی یہ خواہش رہی کہ کسی طرح جنگ کے امکانات کو ختم کیا جائے، مسلم ممالک سے مغربی فوجوں کا انخلا عمل میں لایا جائے، عراق کی ناکہ بندی ختم ہو اور کویت کے لوگ آزادی سے اپنے ملک میں رہ سکیں۔ اس طرح ایک اسلامی تناظر میں اس مسئلے کو حل کیا جائے۔ ان تجاویز کو قابل عمل بنانے کے لیے ایک وفد بنایا گیا جس نے اردن کے شاہ حسین، سعودی عرب کے شاہ فہد، عراق کے صدام حسین اور ایران کے صدر رفسنجانی سے ملاقاتیں کیں۔ یہ تمام کوششیں سودمند ثابت نہ ہوئیں تاہم اس وفد نے ایک قابل عمل منصوبہ پیش کیا۔

(ب) معاشی اثرات: اسلامی تحریک کے مفکرین نے اسلامی معاشیات پر علمی اور تحقیقی کاموں کا آغاز کر کے اس بات کی کوشش کی کہ کسی طرح مغربی سرمایہ دارانہ اور اشتراکی معاشی نظریات کے بجائے خالص اسلامی نقطۂ نظر سے مسلمان ملک اپنا معاشی نظام چلا سکیں۔ اس سلسلے میں پہلی کوشش اسلامی بنکوں کا قیام تھی تاکہ مسلم ممالک اور ان کے عوام سود کی لعنت سے نجات پا سکیں، اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بازار اور منڈی میں لین دین اور تجارت کو ممکن بنایا جا سکے۔ اس اسلامی معاشی فکر کے نتیجے ہی میں اکثر ممالک میں ایسے بنک اور تجارتی ادارے قائم ہوئے ہیں جن میں بلاسود کاروبار کا اہتمام کیا گیا ہے، اور وہ مسلمان جو سودی کاروبار سے بچنا چاہتے ہیں ان کے لیے سرمایہ کاری کی راہ نکالی گئی ہے۔ خود مغرب میں کئی ایسے ادارے قائم ہوئے جن میں "دارالمال اسلامی" اور "البرکہ بنک" مشہور ہیں۔ ۱۹۷۵ میں اسلامی ترقیاتی بنک قائم ہوا۔ اس کے فنڈ سے مختلف مسلم ممالک میں ترقیاتی منصوبوں میں سرمایہ لگایا گیا۔

بین الاقوامی تعاون کے علاوہ علاقائی تعاون کے کئی ادارے وجود میں آئے جن میں اکثر اپنی علاقائی اور جغرافیائی معاشی (geo-economic) خوش حالی کے لیے قائم ہوئے۔ البتہ اسلامی ممالک کی معاشی تعاون کی تنظیم (ECO) کے پیش نظر اسلامی برادری کا فروغ ہے۔ اس میں ترکی بھی شامل ہے۔

مغرب کو اس بات کا احساس ہے کہ اگر عالم اسلام کے وسائل اسلام پسندوں کے ہاتھ آ جائیں تو وہ

مغرب کو تیل اور دیگر تمام پیداوار سے محروم کر دیں گے اور یہ مغرب کی معاشی تباہی کے مترادف ہو گا۔ چنانچہ تحریک اسلامی کی مخالفت کا اصل سبب یہی خدشہ ہے۔

(ج) تہذیبی اثرات ' مغرب اور اسلام کا تہذیبی تصادم : مخالفتوں اور مزاحمتوں کے باوجود اسلامی تحریک کی پیش رفت مغرب کے لیے باعث تشویش ہے۔ مغرب میں اسلام سے بلاوجہ خوف زدگی (Islamo Phobia) کا تاثر عام ہے کیونکہ تحریک اسلامی نے مغربی تہذیب کے خلاف آواز اٹھائی ہے اور مغربی تہذیب کے بجائے اسلامی تہذیب کے احیا کے لیے جدوجہد کر رہی ہے' اس لیے یہ خطرہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ ان دونوں تہذیبوں کے مابین تصادم ناگزیر ہے۔ یہ خطرہ اب اور بھی زیادہ شدت اختیار کر گیا ہے کیونکہ کیمونزم کے خاتمے کے بعد سوائے اسلام کے کوئی اور نظریۂ حیات مغربی تہذیب کے مدمقابل نہیں رہا ہے۔ اس خطرے کو علمی سند ہارورڈ کے پروفیسر سمیول ہنٹنگٹن کے اس اہم مضمون سے حاصل ہوئی جو امریکہ کے باثر رسالے فارن افیرز میں ۱۹۹۳ میں شائع ہوا تھا۔ مضمون کا عنوان Clash of Civilizations: The Next Pattern of Conflict تھا۔ ہنٹنگٹن نے پیش گوئی کی کہ قوموں کے مابین تصادم موجودہ دنیا میں مقابلے کی آخری ارتقائی منزل ہے۔ چنانچہ آیندہ تصادم تہذیبوں کے درمیان ہوگا اور اب کیمونزم کے خاتمے کے بعد ہماری اصل حریف اسلامی طاقتیں ہیں۔

اسلام کا مقابلہ کس طرح کیا جائے؟ اس بارے میں مغرب کے اہل علم کے درمیان دو نظریے پائے جاتے ہیں۔ جو لوگ تہذیبی تصادم کے خطرے کو محسوس کر رہے ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ اسلام کو ہر ممکن طریقے سے دبایا جائے اور اس کو آگے بڑھنے اور قوت حاصل کرنے سے محروم رکھا جائے۔ اس کے برعکس بعض مفکرین کی رائے یہ ہے کہ اسلام کو طاقت کے بل پر دبانا مشکل اور مہنگا نسخہ ہے۔ اگر اس کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے تو وہ خود موجودہ دور کے مشکل مسائل اور پیچیدہ معاشی حالات کو اسلامی طریقے سے حل نہ کر سکے گا' لہٰذا قدرتی طور پر ناکام ہو جائے گا۔

مغربی مفکرین کا ایک اور خدشہ یہ بھی ہے کہ اگرچہ بعض ممالک میں تحریک نے اقتدار حاصل کرنے کے لیے جمہوری طریقہ اختیار کیا ہے لیکن اگر ایک مرتبہ اسلامی نظام قائم ہو گیا تو پھر مغربی اقدار اور جمہوریت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ چنانچہ الجزائر میں جب یہ محسوس ہوا کہ اسلامک فرنٹ انتخابات میں کامیاب ہو جائے گا اور حکومت پر قابض ہو جائے گا تو مغربی طاقتوں کے دباؤ پر فوج نے اس امکان کو ختم کر دیا۔

اسلام مغربی تہذیب کے لیے خطرہ ہے' اس کا اظہار متعدد کتابوں' اخبارات و رسائل میں مسلسل کیا جا رہا ہے۔ سنڈے ٹائمز نے ایک اداریے میں لکھا ہے: ہر ماہ وارسا پیکٹ کی طرف سے خطرے میں کمی ہو رہی ہے لیکن بنیاد پرست اسلام کی جانب سے خطرے میں اضافہ ہو رہا ہے۔ یہ خدشہ اگرچہ سرد جنگ سے مختلف ہے لیکن مغرب کو اسے دبائے رکھنا ہے' اسی طرح جس طرح کیمونزم کو دبائے رکھا گیا۔

ایک مشہور صحافی پیٹر جنکنز لکھتے ہیں: اسلام کو پرے رکھنا ۱۳۵۴ سے یورپ کی حکمت عملی رہی ہے

...اب ایرانی انقلاب کے بعد اس حکمت عملی پر دوبارہ عمل پیرا ہونا چاہیے۔

یورپ اور امریکہ میں اب مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد آباد ہو چکی ہے۔ یہاں کی مسلم آبادی میں اسلامی تحریک کے نفوذ سے مغرب کے تمام ہی ممالک میں خطرہ محسوس کیا جا رہا ہے۔ خاص طور سے فرانس، جرمنی اور برطانیہ میں جہاں کے بڑے صنعتی شہروں میں خاصی تعداد میں مسلمان آباد ہیں۔ مسلمانوں کی شرح پیدائش مقامی آبادی کی بہ نسبت زیادہ ہے اور مسلمان دوسری اقلیتوں کی طرح مقامی تہذیب میں ضم ہونا نہیں چاہتے، اس لیے وہاں یہ خطرہ زیادہ محسوس کیا جا رہا ہے۔ وہ مسلمانوں سے تہذیبی تصادم کا خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ ایک برطانوی مصنف چارلس مور کی پیش گوئی ہے:

برطانیہ اصلاً انگریزی بولنے والے عیسائی اور سفید فام لوگوں کا ملک ہے۔ اگر ہم یہ سوچنا شروع کر دیں کہ یہ اصلاً اردو بولنے والے مسلمان اور گندمی رنگ کے لوگوں کا مسکن ہے، تو یہ خوفزدہ کرتا ہے اور غصہ دلاتا ہے ○

۵۔ مغرب کا ردعمل

یہ بات واضح ہے کہ مغرب نہایت شدت سے اسلام کو اپنی تہذیب اور ثقافت کے لیے خطرہ سمجھتا ہے۔ مغربی مفکرین اس بات پر متفق نہیں ہو سکے کہ وہ اس "خطرے" کا مقابلہ کس طرح کریں۔ چنانچہ مختلف حکمت عملیاں استعمال کی جا رہی ہیں۔ ان کا جائزہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے:

(الف) **خطرے کا الارم**: اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے سے لے کر عوام الناس تک کے ذہنوں پر اسلام سے ایک غیر معمولی خوف کا ہوا سوار ہے۔ درجنوں کتابیں، ٹی وی پروگرام، اخبارات و رسائل اسلام دشمنی پر مبنی ہیں۔ بعض کتابوں، مضامین اور پروگراموں کے عنوانات سے اس خوف و دہشت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے: The Rage of Islam (اسلام کا غصہ)، The Dagger of Islam (اسلام کا خنجر)، Allah in the West (اللہ مغرب میں)، The Militant Islam (جنگ جو اسلام)، Islamic Threat (اسلامی خطرہ)، The Green Threat (سبز خطرہ)، The Sense of Siege (محاصرے کا احساس)، The Muslims are Coming, The Muslims are Coming! (مسلمان آ رہے ہیں، مسلمان آ رہے ہیں!)، Islam on the Road again After Seven Centuries (سات صدیوں بعد اسلام پھر آگے بڑھ رہا ہے)، The Holy Warriers in the Path of God (مجاہدین راہ خدا میں)۔

○ یہ تمام اقتباسات درج ذیل کتب سے لیے گئے ہیں:

The Rise of Islamist Movements and the Western Response: Clash of Civilizations and Clash of Interests. The Islamist Dilemma: The Political Role of Islamist Movements in the Contemporary Arab World.

اس بے پناہ پروپیگنڈے کا مقصد رائے عامہ کو اسلام کے خلاف منظم کرنا ہے۔ اس لیے کہ اس طرح اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کے بعد اگر حکومت ان کے خلاف کوئی کارروائی کرے گی تو عوام میں ان کے حق میں کوئی آواز اٹھانے والا نہ ہو گا۔ یہ وہی پالیسی ہے کہ کتے کو برا نام دے کر مار ڈالو۔

جہاں سیاسی محاذ پر اسلام کو روکنے کی کوششیں ہو رہی ہیں، وہاں علمی محاذ پر بھی اسلام اور اس کی تعلیمات، اہل علم کی تنقید بلکہ تنقیص کا ہدف ہیں۔ اکثر کتابوں اور مضامین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر نکتہ چینی ہے۔ مخالفین کا خاص ہدف قرآن کریم کا من جانب اللہ ہونا، اسلام میں عورتوں کے حقوق کی پامالی، انسان کے بنیادی حقوق کی حق تلفی، جمہوریت اور آزادی پر پابندی ہے۔

ان تمام حربوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مغرب میں لوگ اچھی خاصی تعداد میں مسلمان ہو رہے ہیں۔ ان میں اکثریت غیر مسلم خواتین کی ہے۔

(ب) تحریک اسلامی کو بدنام کرنا: مغرب کو اصل خطرہ مسلم عوام سے نہیں ہے بلکہ ان کا سارا نزلہ تحریک سے متعلق افراد پر گرتا ہے۔ اسلام دشمنی کا ایک اثر خود مغرب کے مفاد پر بھی پڑتا ہے اور مسلم ممالک میں مغرب کے خلاف جذبات بھڑک جاتے ہیں۔ اس لیے اب اس نے اصل ہدف تحریک اسلامی کو بنایا ہے۔ اس سلسلے میں چالاکی سے تحریک سے متاثر مسلمانوں اور دیگر مسلمانوں میں تفریق کی گئی ہے۔ ان کو ممیز کرنے کے لیے "بنیاد پرست" کی اصطلاح وضع کی گئی ہے۔ اگرچہ اصلاً اس اصطلاح کا اطلاق ان پروٹسٹنٹ عیسائیوں پر ہوتا تھا جو بائبل کو بعینہٖ کلام خداوندی قرار دیتے تھے۔ انھوں نے یہ اصطلاح اس لیے اختیار کی تاکہ وہ یہ کہہ سکیں کہ وہ اسلام کے بطور مذہب مخالف نہیں ہیں۔ اس طرح انھیں مسلم ممالک کے ان حکمرانوں کی ہمدردیاں بھی حاصل ہوئیں جو تحریک کے مخالف ہیں۔

مسلمانوں میں مزید تفریق پیدا کرنے کے لیے اب بنیاد پرستی کے ساتھ ایک اور فنی اصطلاح بھی رائج کی جا رہی ہے اور وہ "عوامی اسلام" (Popular Islam, Folk Islam) ہے۔ مسلمانوں میں جو مختلف بدعات اور من گھڑت رسوم رائج ہو گئی ہیں، انھیں اصل اسلام قرار دیا جا رہا ہے۔ مغربی مفکرین کی رائے یہ ہے کہ عوام کی اکثریت اس اسلام کی پیروی کر رہی ہے اور یہ اسلام ان کے لیے خطرے کا باعث نہیں ہے بلکہ یہ عیسائیت سے زیادہ قریب ہے۔ بل مسک نے اپنی کتاب The Unseen Face of Islam: Staring the Gospel with ordinary Muslims میں مختلف مسائل میں Official Islam یعنی "مستند اسلام" اور عوامی اسلام میں موازنہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح "عوامی اسلام" عیسائیت سے قریب تر ہے اور اس کے ذریعے عیسائیت کی تبلیغ کی جا سکتی ہے۔

(ج) باہمی مفاہمت اور بین المذاہب مکالمات: جہاں تصادم اور تنازع کا ہر وقت خدشہ ظاہر کیا جاتا ہے وہاں اس کے برعکس ایک کوشش اسلام کو سمجھنے اور اس سے مصالحت کی بھی ہو رہی ہے جسے "ڈیل

بنانا" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اکثر شہروں میں بین المذاہب مکالمے کونسل یا اس نوعیت کی دیگر تنظیمیں قائم ہیں جن کا مقصد آپس میں مل کر مختلف مسائل پر اسلام اور عیسائیت کی تعلیمات کا موازنہ کرنا ہے۔ اس میں پیش پیش چرچ کے ادارے ہیں۔ برطانیہ میں قومی سطح پر Inter-faith Network قائم ہے۔ اس طرح کے ادارے دیگر مغربی ممالک میں بھی موجود ہیں۔ اس طرح تصادم کے بجائے مصالحت کی راہ اختیار کرنے کی کوشش بھی جاری ہے۔ چرچ سے ہٹ کر مختلف علمی اور نیم سیاسی ادارے بھی اس کوشش میں ہیں کہ باہمی مکالمے سے ایک دوسرے کے خیالات سے آگاہی حاصل ہو۔ پچھلے چند برسوں میں جو اہم اقدامات ہوئے ہیں ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

○ ایک امریکی تحقیقی ادارہ، عالمی اسلامی تعلیمات کا مطالعاتی ادارہ (WISE) ہے، اس کا مقصد مسلمانوں کے سیاسی، معاشی اور تاریخی مسائل پر تحقیق کرنا ہے۔ اس نے تبادلۂ خیال کی ایک نشست، مئی ۱۹۹۴ میں منعقد کی جس میں احیاے اسلام کے چیلنج، منزل اور مستقبل کے تناظر میں پروفیسر خورشید احمد سے تفصیلی گفتگو کی گئی۔ اس کارروائی کو پروفیسر ابراہیم ابو ربیع نے مرتب کر کے شائع کیا۔ کتاب کا نام ہے:

Islamic Resurgence: Challenges, Directions and Future Perspectives.

○ اسی طرح پچھلے سال فروری میں ولٹن پارک کانفرنس میں تحریک اسلامی کے رہنما قاضی حسین احمد کو برطانیہ میں مدعو کیا گیا۔ اس پانچ روزہ کانفرنس کا عنوان "اسلام اور مغرب کے درمیان مصالحاتی تعلقات" تھا۔ یہ کانفرنس دسمبر ۱۹۹۶ میں اسی موضوع پر ہونے والی کانفرنس کا تتمہ تھی۔ اس کانفرنس میں پرنس چارلس، برطانیہ میں مسلم ممالک کے سفارتی عملے کے افسران، نیز خود برطانوی حکومت کے نمایندے اور مسلم اور غیر مسلم دانشور شامل تھے۔ کانفرنس کے اختتامی اعلامیے میں اور باتوں کے علاوہ یہ بات بھی درج ہے: "چونکہ ہم اس زمین کے مشترک شہری ہیں، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ہم مختلف ثقافتوں، قوموں اور مذاہب کے درمیان پل بنائیں"۔

○ ولٹن پارک ایک علمی ادارہ ہے جو برطانوی وزارت خارجہ نے قائم کیا ہے اور اس کے تحت منعقدہ کانفرنسوں کی کارروائیاں برطانوی حکومت کے سرکاری چھاپے خانے سے چھاپی جاتی ہیں۔ اس سال اپریل میں ایک کانفرنس جرمن کے صدر رومن ہرزوگ نے اپنی سرکاری رہایش گاہ بیلے ویو کاسل میں منعقد کی۔ اسے "بین الاقوامی کانفرنس برائے ثقافتی مکالمات، مغربی اور اسلامی معاشروں کے مابین مستقبل کے تعلقات" کا نام دیا گیا۔ برلن کی اس کانفرنس میں جرمنی کی حکومت کے عہدے داران کے علاوہ الجزائر، مصر، فن لینڈ، انڈونیشیا، اٹلی، ملایشیا، فرانس، ناروے اور اسپین کی حکومتوں کے نمایندے بھی شامل تھے۔ اس دو روزہ کانفرنس کا مقصد "مغرب اور اسلام کے مابین مستقبل میں ہونے والے تصادم کو روکنا اور ختم کرنا" قرار پایا۔ اس موقع پر صدر ہرزوگ نے اپنی کتاب کی رونمائی بھی کی۔ کتاب کا نام Preventing the clash of civilizations: a peace strategy for the 21st Century (تہذیبی تصادم کو روکنا:

اکیسویں صدی کے لیے امن کی حکمت عملی) ہے۔ کانفرنس کے اختتام پر "میثاق برلن: مستقبل کے کام کا ایجنڈا" تیار کیا گیا اور تمام شرکاے کانفرنس نے اس پر اپنے دستخط ثبت کیے۔

○ اس سال اپریل میں ایک اور کانفرنس یورپ کی سبز پارٹی (Green Party in Europe) نے یورپین پارلیمنٹ برسلز، بلجیم میں منعقد کی۔ اس کا عنوان "اسلام یورپ میں" تھا۔ اس میں یورپ کے مختلف ممالک سے ۱۲۰ افراد نے شرکت کی۔ ڈاکٹر المین اس کے منتظم تھے۔ انھوں نے کانفرنس کے مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: یہ کانفرنس "اسلام مغرب میں" کے بارے میں ہے نہ کہ "اسلام اور مغرب"۔ اسلام کی مغرب میں موجودگی ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے۔ یورپ، بغیر اسلام کے 'یورپ نہیں ہے اور اسی طرح اسلام بھی موجودہ صورت میں بغیر یورپ کے نہیں ہے۔

○ برلن اور برسلز کے بعد اس سال اپریل کے آخر میں ایک اور کانفرنس لندن میں منعقد ہوئی۔ اس کا اہتمام برٹش کونسل نے کیا' جو برطانوی وزارت خارجہ کا ثقافتی ادارہ ہے۔ اس میں برطانوی اور بیرونی ممالک سے مدعو اہل علم و اہل سیاست نے شرکت کی۔ کانفرنس کا موضوع "باہمی تعلقات: برطانیہ اور اسلام" تھا۔

اس طرح کی کانفرنسوں سے باہمی ملاقات اور تبادلۂ خیال کے مواقع فراہم ہو جاتے ہیں لیکن ان میں منظور کردہ قراردادوں اور میثاقوں کا اثر حکومتوں کی پالیسی اور ان کے فیصلوں پر کتنا پڑتا ہے' یہ ایک اہم سوال ہے۔ اس کا جواب آیندہ تاریخ ہی دے سکے گی۔

۶۔ ہماری ذمہ داری

(الف) اسلام اور مغرب کے دیرینہ روابط: اسلام کے بارے میں جو شکوک و شبہات اور غلط فہمیاں دانستہ یا غیر دانستہ طور پر مغرب میں پائی جاتی ہیں اور ان کو ذرائع ابلاغ کے ذریعے پھیلایا جاتا ہے' اس کے پیچھے صدیوں کے تاریخی واقعات کا ایک سلسلہ موجود ہے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ اس تاریخی پس منظر میں اس کے مثبت پہلو کو اجاگر کریں۔ سب سے پہلے رابطے کی ابتدا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ آپؐ نے سنہ ۷ ہجری (۶۲۸ عیسوی) میں مشرقی سلطنت روما کے بازنطینی فرماں روا ہرقل کے نام خط بھیجا جس میں آپؐ نے اسے اسلام سے روشناس کرایا اور قبول اسلام کی دعوت دی۔ اس خط میں اسلام کی بنیادی تعلیم یعنی توحید پر مجتمع ہونے کی دعوت دی گئی تھی۔ آج بھی اہل کتاب کے لیے ہماری دعوت یہی ہے۔ اس ضمن میں خصوصاً مغرب میں رہایش پذیر مسلمانوں کی اہم ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کے پیغام کو وہاں کے عوام تک پہنچائیں۔

(ب) اسلام مغرب کے لیے خطرہ نہیں: مغرب کو یہ باور کرانے کی ضرورت ہے کہ تحریک اسلامی کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنے ملکوں میں اسلام کے دیے ہوئے نظریۂ حیات کے مطابق اسلامی معاشرہ کی تشکیل کریں۔ اس طرح جب وہ فکری ہم آہنگی کے ساتھ ملک کی تعمیر میں لگ جائیں گے تو ملک ترقی کرے

گا۔ رہا اس بات کا خدشہ کہ مسلم ممالک فوجی طاقت کی بنا پر مغرب پر حملہ آور ہوں گے، تو یہ ایک خیال خام ہے۔ حقیقتاً مسلم ممالک اپنی معاشی اور فوجی قوت کے لیے مغربی طاقتوں پر انحصار کیے ہوئے ہیں۔ اگرچہ معاشی طور پر مسلم ممالک کے ذرائع و وسائل کافی ہیں لیکن یہ ایسا معاشی ہتھیار نہیں ہے جس سے مغرب کا مقابلہ ہو سکے۔ جہاں تک سائنس اور ٹکنالوجی کا معاملہ ہے مغرب کو اس میں کہیں زیادہ سبقت حاصل ہے، تو اسلام سے خطرہ محض ایک ہوّا ہے جو لوگوں نے سروں پر سوار کر رکھا ہے۔ برطانیہ کے ایک آزاد ادارے نے دو سال کی تحقیق کے بعد اپنی رپورٹ 'Islamo Phobia: A Challenge for us all' ۱۹۹۷ء میں شائع کی۔ جس میں یہ اعتراف کیا ہے کہ یہ خوف اور خدشہ بے بنیاد ہے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس سے باہمی تعلقات اور بین الاقوامی تعلقات زنگ آلود ہوں گے جس سے نسلی تعصب پیدا ہو گا۔

(ج) باہمی مفاہمت کا پیغام: دنیا کی طویل تاریخ کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ جہاں ملکوں اور قوموں کے درمیان جنگیں، تصادم اور ٹکراؤ ہوئے وہاں وہ آپس میں ایک دوسرے کی تہذیب، ثقافت، خیالات اور اقدار سے بھی متاثر ہوئے۔ خود اسلام کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جنگجو تاتاروں نے خلافت عباسیہ کو ختم کر دیا مگر اسلام سے روشناس ہونے کے بعد وہی "کعبہ کے نگہبان" بن گئے۔ چنانچہ تہذیبی تصادم ناگزیر نہیں ہے۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ باہمی مفاہمت کی فضا پیدا کی جائے تاکہ دنیا میں امن و امان قائم ہو۔ اسلام کی دعوت، بقاے باہمی کی دعوت ہے نہ کہ تصادم کی۔ قرآن کی رو سے بنی آدم کا اختلاف زبان، نسل اور رنگ فطری ہے اور اس کو اسی طرح باقی رہنا ہے۔ اسی طرح خیالات اور عقائد بھی مختلف ہوتے ہیں ورنہ اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک جیسا بنا دیتا۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (المائدہ ۵: ۴۸)--- اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اختلافات باقی رہیں گے اور ہمیں ان اختلافات کو برداشت کرتے ہوئے مل جل کر رہنا ہو گا۔

(د) "اسلامی دہشت گردی" کے تاثر کا ازالہ: مغرب کو اصل خطرہ "بنیاد پرست" مسلمانوں سے ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ شدت پسند ہیں لہٰذا دہشت گرد ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اہل مغرب پر واضح کیا جائے کہ اسلام دہشت گردی کے خلاف ہے۔ اسلام کسی بے گناہ کا خون بہانا جائز نہیں سمجھتا۔ ایک شخص کا ناحق قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ قرآن کہتا ہے: کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے (المائدہ ۵: ۸)۔

مغرب کے صحافی اکثر یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ اگر اسلام دہشت گردی کے خلاف ہے تو مسلمان کھلم کھلا اس کی مخالفت میں آواز کیوں نہیں اٹھاتے۔ درحقیقت یہ ہمارا اسلامی فرض ہے کہ ہم ظلم و تشدد کے خلاف آواز بلند کریں۔ لیکن جب مسلمان یہ دیکھتے ہیں کہ مغربی طاقتیں اور اسرائیل مسلمانوں کو بے جا قتل کر رہے ہیں، الجزائر میں مغرب کے نمایندے مسلمانوں پر ظلم و ستم کر رہے ہیں۔ چیچنیا میں روس

مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے میں مصروف ہے اور اس کے مقابلے میں نہتے مسلمان جائز و ناجائز طریقے سے اس کا مقابلہ کر رہے ہیں' تو ظاہر ہے کہ ان کی ہمدردیاں مظلوم مسلمانوں کے ساتھ ہوں گی۔ محض اس بنا پر مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دینا سراسر ظلم ہے' جب کہ مغرب اور اسرائیل اپنی سیاسی اور فوجی طاقت سے مسلمانوں کو ہر جگہ مغلوب کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔

(۵) **مغرب کا دہرا معیار**: جس طرح مغرب یہ چاہتا ہے کہ مسلم ممالک عدل و انصاف سے کام لیں' اسی طرح خود مغرب کا بھی فرض ہے کہ وہ بین الاقوامی معاملات عدل و انصاف سے طے کرے۔ اس وقت مغرب کے دو پیمانے ہیں: اگر کوئی اسرائیلی اور امریکی دہشت گردی کرتا ہے تو اس کے جواز میں کئی بہانے تراشے جاتے ہیں لیکن اگر یہی کام کوئی مسلمان کرے تو پوری قوم کو ملزم ٹھہرایا جاتا ہے۔ سلامتی کونسل میں متعدد قراردادیں اسرائیل کے خلاف پیش ہوئیں' امریکہ نے اپنا ویٹو کا حق استعمال کر کے ان کو مسترد کر دیا لیکن عراق پر بمباری کا جواز صرف ایک قرارداد کی بنا پر جائز قرار دے دیا۔ وہ لوگ جو کمزور اور بے بس ہیں ان کا معمولی جرم بھی قابل تعزیر ہوتا ہے لیکن وہ قزاق اور لٹیرے جو بے باکی سے تمام انسانی اقدار کو پامال کرتے ہیں' بلاکسی الزام کے وندناتے پھرتے ہیں۔ اس منافقت کو ختم ہونا چاہیے۔

ان معروضات کی روشنی میں ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہم کس طرح مغرب میں اسلام کی صحیح تعلیمات کو روشناس کرائیں۔ ان کو یہ باور کرانے کی ضرورت ہے کہ انسانیت کی بقا سب کے مل جل کر رہنے میں ہے۔ اگرچہ ہماری تاریخ میں صلیبی جنگیں اور سیاسی اور معاشی کش مکش موجود رہی ہے' اس کے باوجود انسانیت کی فلاح اسی میں ہے کہ ہم ایک دوسرے کے خیالات سے آگاہ ہوں۔ باہمی مکالمات اور افہام و تفہیم سے مسائل حل ہوں۔ تمام معاشی' سماجی' تعلیمی اور ثقافتی معاملات میں باہمی تعاون ہی سے ترقی ممکن ہے۔ اگر ہم ایک دوسرے کو برباد کرنے پر تل جائیں اور انسانیت کو رنگ' نسل' قوم' زبان اور مذہب کی بنیاد پر تقسیم کر دیں' تو یہ سب ہماری بربادی کا سامان ہو گا۔ اسلام تمام دنیا کے لیے عدل و انصاف اور صلح و آشتی کا پیغام دیتا ہے۔ اسی طرح ہم بقاے باہمی پر نیا عالمی نظام (نیو ورلڈ آرڈر) برپا کر سکتے ہیں۔

حرف آخر: اس مختصر سے جائزے سے یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ پچھلے ۶۰ برس میں تحریک اسلامی نے مخالفتوں اور مزاحمتوں کے باوجود امت مسلمہ کے ایک بڑے طبقے کو متاثر کیا ہے۔ آج تحریک' دنیا کے تمام ہی ممالک میں سرگرم عمل ہے ؂

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں — یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

تحریک نے مسلمانوں میں ایک نیا شعور اور نئی لگن پیدا کی ہے۔ ان میں جذبۂ دعوت و تبلیغ' جذبۂ قربانی و جہاد پیدا ہوا ہے۔ اب نئی صدی اور نیا عہد ہزار سال اسلام کے عروج اور ترقی کا عہد ہو گا' اور اگلا دور اسلام کے دور زریں کی یاد تازہ کر دے گا۔ ان شاء اللہ!